تاریخی حقائق

از
(جناب مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی استاذ حدیث دار العلوم معینیہ)

"آج کل "اسلامی نظام امن وامان" کے عنوان سے ایک مضمون کی فکر میں ہوں، اس سلسلہ میں مختلف کتابوں کا مطالعہ جاری ہے "مسلمانوں کا نظم مملکت" پڑھتے وقت کچھ واقعات ایسے سامنے آئے جو مجھے بہت پسند آئے، دل نے کہا یہ حقائق ناظرین برہان کے سامنے بھی پیش کر دئے جائیں، وما توفیقی الا باللہ۔ (ظفیر صدیقی)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت اپنی جگہ کے لئے حضرت فاروق اعظم رض کا نام نامی پیش فرمایا اور پھر عوام کے سامنے اس کو رکھ کر منظوری حاصل کی، پھر حضرت عمر رض کو بلاکر نصیحتیں کیں، ان تمام کاموں سے جب فارغ ہو چکے تو آپ نے ہاتھ اٹھایا اور رب العزت کی درگاہ میں التجا کی،

"خدایا! اس سے مری نیت امت کی فلاح وبہبودی کی ہے، میں نے فتنہ سے ڈر کر انھیں حاکم مقرر کر دیا ہے تو واقف ہے، میں انتہائی غور وخوض کے بعد اپنے خیال میں سب سے بہتر، سب سے طاقتور، اور سب سے زیادہ رشد وہدایت کے دلدادہ فرد کو ان کا خلیفہ منتخب کیا ہے، میں اب موت کی گھڑیاں گن رہا ہوں، امت کو ترے سپرد کرتا ہوں، وہ ترے بندے ہیں، ان کی جان وآبرو تیرے اختیار میں ہے، ان کے حاکم فلاح وبہبودی کے کام کریں اور صراط مستقیم پر قائم رہیں، عمر کے وسیلے سے امت کو بہتر بنا اور اس کی اصلاح فرما[1]"

یہ دعا کتنی موثر اور درد انگیز ہے؟ لفظ لفظ سے وفات پانے والے خلیفہ کا اخلاص

---

[1] نظم مملکت ص۲۹ وغیرہ

اور قومی محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اور دیکھنا یہ ہے کہ اپنے رب سے ہمارے اسلاف کو کتنا گہرا قلبی تعلق اور شغف ہے۔ اے کاش ہمارے اس زمانہ کے مسلمان اس اخلاص و درد کو اپنے اندر جذب کر لیتے، اور دنیا کے دوسرے انسان سوچتے کہ خلیفہ اور قوم کے سردار کے اخلاق و اعمال کیسے پاکیزہ ہونے چاہئیں۔

حضرت عمرؓ جب زخمی ہوئے تو چند ممتاز صحابہ کبار حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ مناسب معلوم ہو تو کسی کو اپنا جانشین متعین فرما دیجئے۔ یہ سن کر متاسفانہ لہجہ میں فرمانے لگے کسے جانشین بناؤں؟ ابو عبیدہؓ زندہ ہوتے تو ان کو مقرر کر دیتا کہ رحمت عالم نے ان کو "امین الامۃ" فرمایا تھا، ابو حذیفہؓ کے غلام سالمؓ زندہ ہوتے تو انھیں اپنا جانشین مقرر کر دیتا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ سالم خدا سے بے حد محبت کرنے والے ہیں، اپنا یہ افسوس ظاہر ہی کر رہے تھے کہ درمیان میں ایک شخص نے یہ کہہ کر دخل دیا کہ عبد اللہ بن عمرؓ کو مقرر فرما دیجئے، اس مشورہ سے آپ کو بے حد تکلیف ہوئی اور فرمایا

"اس کا تو مجھے کبھی وہم تک نہیں ہوا ہے"[1]

اس سے اندازہ لگائیے، ہمارے اسلاف کا باطن کتنا پاکیزہ تھا، اور یہ کتنے دور اندیش تھے

یزید کی موت کے بعد اس کا بیٹا ثانی معاویہ جانشین مقرر کیا گیا، مگر معاویہ ثانی نے چالیس دن بعد خلافت سے علیحدگی اختیار کر لی اور اس خلافت کے مسئلہ کو جمہور پر چھوڑ دیا، انھوں نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا

انتخاب خلیفہ کا حق صرف تم لوگوں کو حاصل ہے جس کو مناسب سمجھو اپنا خلیفہ بنا لو"[2]

حق پژوہی کی مثال قائم کر گئے، اپنے خاندانی روایات کے خلاف حق کا یہ اعلان جتنا اہم ہے، وہ ہم سب کے لئے درس عبرت ہے، اس واقعہ میں جو سبق ہے اسے اپنانے کو اس زمانہ میں بڑی ضرورت ہے،

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صلا [2] ایضاً صنہ

مورخین حضرت عمر بن عبد العزیز رح کو عدل و انصاف اور زہد و تقویٰ میں خلفائے راشدین کا ہم سر سمجھتے ہیں انھوں نے خلیفہ ہونے کے بعد جو خطبہ دیا تھا، وہ سب کے پڑھنے کے لائق ہے آپ نے فرمایا

"لوگو! قرآن کے بعد کوئی اور کتاب آسمان سے نہیں، نازل ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی مبعوث نہ ہوگا، میں مقنن نہیں ہوں، صرف قوانین کا نافذ کرنے والا ہوں، میں کسی نئی بات کو رواج نہیں دوں گا، مگر اپنے بزرگوں کی تقلید کروں گا، میں تم میں سے کسی فرد سے بہتر نہیں ہوں ہاں میرے کندھوں پر بوجھ (بار خلافت) ضرور تم سب سے زیادہ ہے یاد رکھو خدا کی نافرمانی میں بندے کی کوئی بھلائی نہیں ہے"[1]

ایک خلیفہ نے اپنی پالیسی کا کتنا اچھا تلا پروگرام بتایا ہے، اس میں نہ اپنی بڑائی ہے، نہ اپنے علم و تقویٰ کا اظہار ہے، بلکہ عجز و انکساری ہے اور خدا کی کتاب اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قوانین کے نفاذ کا اعلان ہے

خلیفہ متوکل جب سلطان سلیم کے تسلط کے بعد کسی حد تک نظم و نسق میں دخیل باقی رکھا گیا، تو لوگ خلیفہ متوکل کو سلطان سلیم تک رسائی کا ذریعہ بناتے، لکھا ہے

"حاجتمند سلطان سلیم تک رسائی کے لئے خلیفہ کو واسطہ بناتے اور سلطان عموماً اس کی سفارشیں رد نہ کرتا، ستم رسیدہ افراد اپنی مقصد براری کے لئے اس کثرت سے خلیفہ کے پاس آتے کہ اس کے محل میں تل رکھنے کی جگہ نہ رہتی"[2]

دیکھنا یہ ہے کہ ستم رسیدہ اور حاجتمندوں کی خلیفہ بغیر کسی حرص و غرض کے کیسی دل دہی کرتا تھا کہ لوگ اس کے یہاں ٹوٹے پڑتے تھے، اور جائز سفارش کرنے میں خلیفہ کبھی کوتاہی نہ کرتا تھا بلکہ اسے غریبوں سے بے حد ہمدردی تھی،

سنہ ۳۰۱ھ میں علی بن عیسیٰ نامی وزیر اعظم مقرر کیا گیا، کہا جاتا ہے کہ عہد عباسیہ میں یہ وزیر

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۶۳ [2] ایضاً صفحہ ۱۳۶

زہد و تقوی اور پاکیزہ صفات میں اپنا ثانی نہیں رکھتا ہے، اس کے متعلق بیان ہے۔

علی بن عیسیٰ نے نقرار اور بے بس انسانوں کی حالت سدھارنے کی طرف عملی قدم اٹھایا اور اس مقصد کے لئے اپنی ذاتی جائداد کی نصف آمدنی وقف کر دی، اس وقف کی سالانہ آمدنی اسی ہزار دینار (چار لاکھ روپیہ) سے زیادہ تھی، اس کے ماسوا اور بہت سے وقف کیے تھے اسے کہتے ہیں قوم و ملک سے محبت، صرف زبانی لکچر نہیں دیا کرتا تھا، عمل سے کر دکھاتا تھا، اب تو دوسروں سے اپیل کی جاتی ہے، اور اپنا گھر بھرا جاتا ہے، آج کل کوئی وزیر ذاتی جائداد غریبوں اور مزدوروں پر خرچ کر سکتا ہے؟ بلکہ مل جائے تو وہ سعی کرے گا کہ ذاتی آمدنی میں اضافہ ہو جائے۔ غریبوں کی ہمدردی میں لمبی تقریر، اور زوردار بیان سے زیادہ اور کچھ کرنا غیر ممکن سی بات ہے، الا ماشاء اللہ ؎

تجھے آبار سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا

اس کے اخلاق و اعمال کے متعلق بیان ہے

"یہ وزیر نہایت عادل تھا، عدل و انصاف کے وقت امیر و غریب، شریف و رذیل اس کی نظر میں سب برابر تھے، اس معاملہ میں کسی کی رو رعایت کا قائل نہ تھا، اکثر اوقات عدالت کا اجلاس اور جھگڑے قضیوں کا فیصلہ خود کرتا"[2]

اس میں موجودہ دور کے وزراء کے لئے سبق ہے، کہ وزیر کے کیا صفات ہونے چاہئیں، اب یہ خوبیاں ہمارے دور کے وزیروں میں عنقا ہیں، غریب اور رذیل کے ساتھ آج کون انصاف کرتا ہے؟ اگر یہی بات ہوتی تو کمیونسٹ کا یہ زور دیکھنے میں کیوں آتا۔ اور خونی انقلاب کی یہ تیاریاں کیوں ہوتیں؟

عباسی وزراء میں ابو نصر احمد بھی بڑا مشہور وزیر گذرا ہے، یہ وزیر اعظم نظام الملک کا بیٹا تھا اس نے اپنے زمانہ میں جبر و تشدد کا خاتمہ کر دیا تھا، اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۱۵۹ [2] ایضاً

"مسترشد باللہ نے ایک دفعہ بغداد کی شہر پناہ تعمیر کرنے کے لئے شہریوں پر اجتماعی طور پر پندرہ ہزار دینار - ۷۵ لاکھ روپیہ کی رقم واجب کی تھی، ابو نصر نے یہ رقم ان سے لینا گوارا نہ کیا اور اپنی ذاتی دولت سے ادا کر دی[1]"

اللہ نے دولت دی تھی، تو انسانی ہمدردی سے بھی نواز اتھا، قوم سے ہمدردی ہو تو ایسی ہو صرف زبانی نہ ہو، ہمارے زمانہ کے وزراء کی ذاتی جائداد لاکھوں لاکھ کی ہے مگر ایک حبہ بھی غریبوں پر نہیں خرچ کرتے، اگر یہ اتنا ہی کریں کہ حکومت کے خزانہ میں جو رقم غریبوں کے لئے منظور ہوتی ہے، وہ ان کو دے دیں تو غنیمت ہے مگر اس کی امید بھی خواب وخیال سے زیادہ نہیں ہے۔

عہد مستنصر میں ایک وزیر افضل بن بدر رجمالی بڑا نامی گرامی وزیر اعظم گذرا ہے اس کے متعلق لکھا ہے

"اس کے یہاں ایک کمرہ "مجلس عطا" کے نام سے موسوم تھا، جس میں افضل بذات خود بیٹھتا تھا، اور اپنے ہاتھ سے ہر مصیبت زدہ اور مفلس شخص کو ایک ایک دینار عطا کرتا تھا، مجلس عطار میں اس مقصد کے لئے آٹھ تھیلیاں روزانہ رکھی جاتی تھیں، جن میں پینتیس ہزار دینار ہوتے تھے، دو تھیلیاں زنان خانہ میں رکھی رہتی تھیں[2]"

اب تو کسی وزیر اعظم یا دوسرے وزراء کے پاس کسی مفلس کا پہنچنا ہی غیر ممکن ہے مفلس کو حکومت کے احاطہ میں قدم رکھنے کی اجازت کہاں؟ اب تو وزراء سے ان حضرات کو ملنے کی اجازت ملتی ہے، جو سرمایہ دار، سیاسی لیڈر اور کسی بڑی پارٹی کا صدر وغیرہ ہو مفلوک الحال کو چپراسی کوٹھی کے گیٹ کے اندر جانے کی اجازت دیں؟ غیر ممکن ہے، اور اگر کوئی غریب کسی ترکیب سے پہنچ بھی جائے، تو اس کی ضرورت وزیر پوری کر دے؟ آج کل یہ بات کسی کے بھی سمجھنے کی نہیں، زیادہ سے زیادہ وہ اپنے سکریٹری کے پاس بھیج دیں گے، اور

---

[1] نظم مملکت صفحہ ۱۶۳ [2] ایضاً صفحہ ۱۶۵

یہ بھول بھلیاں کے چکر میں ڈال دے گا۔

کاش ہمارے زمانہ کے وزراء اس واقعہ سے سبق حاصل کرتے، اور مفلس اور مصیبت زدہ پر اپنے دست خاص سے رحم و کرم کی بارش کرتے، اور ان کے زخم پر مرہم رکھنے کی کوشش کرتے، مگر آہ ع ایں خیال است و محال است و جنوں۔

افضل کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ

"افضل جب اسکندریہ گیا تو اس نے اس یہودی کو گرفتار کیا، جو اسے ہمیشہ سب و شتم کرتا تھا، یہودی ڈر کر کہنے لگا، میرے پاس پانچ لاکھ درہم ہیں، انھیں لے لیجئے اور مجھے چھوڑ دیجئے، افضل نے جواب دیا لوگ کہیں گے میں نے دینار کے لالچ میں تجھے قتل کر دیا، اس لئے چھوڑتا ہوں، ورنہ کبھی نہ چھوڑتا" [۱]

اب یہ پاکیزہ نفسی کہاں ہے؟ اتہام سے اتنا ڈرنا اب کہاں باقی رہا، آج کل کوئی وزیر ہوتا تو شاید چپکے سے معاملہ کر لیتا اور اپنی جیبیں بھر لیتا۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا معمول تھا کہ جب کسی کو گورنر بنا کر روانہ کرتے تو کچھ دور خود ساتھ جاتے اور یہ نصیحت کر کے واپس ہوتے،

"میں نے گورنر اس لئے مقرر کیا ہے کہ تم لوگوں میں نماز قایم کرو، ان کے حقوق ادا کرو، ان میں عدل و انصاف کرو، دیکھو عربوں کو درّے نہ مارنا، ..... انھیں نظر بند نہ کرنا"

اب مسلمانوں میں احساس کہاں رہا، کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے، اور ہماری کیا ذمہ داری ہے اب تو اگر کسی کو گورنر بنانا ہوا تو خود اس کے سامنے اس کی تعریف کے پل باندھ دئے گئے،

خلیفہ عبدالملک بن مروان بنو امیہ کا بڑا مشہور خلیفہ گذرا ہے، اس کے متعلق مورخین کا بیان ہے۔

"عبدالملک رشوت سے سخت جلتا تھا، اور اس کے انسداد میں اس نے کوئی کسر نہیں

---

[۱] نظم مملکت ص ۱۷۵ ج ۲

050-40 U

۵۱

اظہار کھی تھی، اگر کسی گورنر یا حاکم کے بارے میں اسے رشوت ستانی کا علم ہو جاتا تھا تو اسے کبھی نہیں بخشتا تھا"[1]

بتایا جائے اب یہ خوبیاں ہمارے افسروں میں باقی رہیں؟ اب تو اگر کوئی برائی حکام میں نظر آئے گی تو اوپر والے پردہ ڈالنے کی کوشش کریں گے اس کی قرار واقعی سزا تو خواب و خیال سے زیادہ نہیں، اور یہ اس وجہ سے کہ اوپر سے نیچے تک کوئی بھی غرض سے پاک نہیں، جو ایک دو ایسے ہیں ان کی چلتی نہیں،

مورخین کا یہ بیان بھی ملاحظہ فرمائیے

"حکومت عثمانیہ کی طرح عباسیوں کے ہاں بھی حکومت کے تمام چھوٹے بڑے عہدے مسلمانوں یہودیوں اور عیسائیوں کو بلا کسی تفریق و امتیاز کے دئے جاتے تھے"[2]

پھر بھی شکوہ کیا جائے گا کہ مسلمانوں نے رواداری سے کام نہ لیا، حق ہے کہ مسلمانی حکومتوں نے عدل و انصاف میں مذہب و ملت کی کبھی تفریق نہیں کی حکومت کی نظر میں تمام رعایا کو برابر کا درجہ دیا گیا۔

قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) امام ابو یوسفؒ نے ہارون رشید کو ایک خط میں لکھا

"آپ کا فرض ہے کہ ذمیوں سے رواداری برتیں ..... ان کی ضرورتوں سے بے خبر نہ رہئے ان پر جبر و جور اور زیادتی نہ ہونے پائے، جزیہ کے علاوہ اور ان کا مال نہ لیا جائے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ان آخری الفاظ سے ناواقف نہ ہوں گے ذمیوں سے بھلائی کرنا، ان سے رواداری برتنا، انھیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا"[3]

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانی حکومتوں میں غیر مذاہب والوں کا کتنا لحاظ رکھا جاتا تھا، ان کی دل دہی، حوصلہ افزائی اور ان کے ساتھ رواداری کا کیسا عمدہ برتاؤ رکھا جاتا تھا اب تو ہمارے زمانہ میں لوگ سب سے زیادہ اپنی حکومت میں اسی کو ستاتے ہیں، جو لوگ

---

[1] نظم مملکت صلہ ۲ [2] ایضاً صلہ ۲۰ [3] ایضاً ص ۲۷

اقلیت میں ہیں اور ہر طرح ہیٹتے اور کمزور ہیں اور اسی کو بہادری سمجھتے ہیں،

عبد الملک بن مروان کے متعلق بیان ہے

"اس نے اپنے غیر معمولی سیاسی تدبر سے ٹیکس کا نظام نہایت بلند معیار پر پہنچا دیا تھا، اور ٹیکس کے افسران کو ایک پائی بھی غبن کرنے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی، وہ نہایت سختی سے اس کا محاسبہ کیا کرتا تھا، رشوت خور، اور بد دیانت افسروں کو معزول کر کے انہیں لرزہ خیز سزائیں دیتا تھا اور ان سے ایک ایک حبہ اگلوا لیتا تھا"[1]

فرمائیے ہمارے اس دور میں یہ اہتمام، اور افسروں کا یہ محاسبہ باقی رہا، رشوت کا بازار جتنا گرم ہے وہ کسی سے بھی مخفی نہیں، کھلے عام رشوت کا کاروبار ہوتا رہتا ہے، مگر چونکہ کوئی بھی پاک نہیں اس لئے روک تھام کون کرے؟ مرکزی وزراء کو اپنے کاموں اور بیانوں سے چھٹی نہیں، یہ بیچارے تو گروپ بندی اور پارٹی بازی کی لعنت میں اس طرح مبتلا ہیں کہ الامان الحفیظ،

دور عباسی میں خشک سالی اور قحط کے زمانہ میں ٹیکس میں تخفیف کر دی جاتی تھی لکھا ہے۔

"معتضد کے زمانہ میں جب الم انگیز قحط پڑا تو لگان کا ½ معاف کر دیا گیا، اور ادا کرنے کے لئے ۱۷ر جنوری سے ۱۵ر مارچ تک مہلت دے دی گئی تھی، . . . . پھر اس میعاد کو ۲۱ر جولائی تک بڑھا دیا گیا تھا"

اب رعایتیں عنقا ہیں، اب تو ہر سال نیا ٹیکس عاید کیا جاتا ہے، جب سے آزاد بھارت کی حکومت ہے، اللہ کے فضل سے کوئی سال نئے ٹیکس سے خالی نہیں، اب تو کوئی چیز ٹیکس سے محفوظ ہی نہیں، پھر بھی حکومت کا بجٹ خسارہ کا ہی بنتا ہے، خدا کرے ہمارے دیش کے وزراء کا پیٹ جلد بھر جائے، اور ملک خوش حالی کی طرف قدم بڑھائے

---

[1] نظم مملکت ص۲۷۶